

## دولت

الیکنڈر فلینگ ایک بے پرواہ قسم کا ڈاکٹر تھا۔ لیبارٹری میں مانکروسکوپ کے سامنے ساری زندگی گزار دی۔ خیر لاٽ تو تھا مگر اس میں وہ ساری لاپروایاں موجود تھیں جو ایک ذہین آدمی کا خاصہ ہوتی ہیں۔ 1928ء میں فلینگ لندن کے سینٹ میری ہسپتال میں کام کر رہا تھا۔ دو ہفتے کی چھٹیوں پر جانا تھا۔ لیب میں کام تیزی تیزی سے سمیٹ رہا تھا۔ مغرب میں کام کو ہمیشہ سنجیدہ لیا جاتا ہے۔ اور چھٹیوں کو بھی۔ یہ ہمارے روائیوں کے بالکل برعکس ہے، جہاں ناکام پر توجہ دی جاتی ہے اور نہ ہی چھٹیوں کا رواج ہے۔ فلینگ نے گول گول شیشے کی پلیٹوں کو الماری میں رکھا۔ میز صاف کی۔ اور اپنے خاندان کے ساتھ چھٹیوں پر چلا گیا۔ جب واپس پہنچا۔ ایک پلیٹ کے اجزاء کو مانکروسکوپ کے ذریعے دیکھا تو اندازہ ہوا کہ اس پلیٹ میں پھپھوندی لگی ہوئی ہے۔ فلینگ خاصے غصے میں آ گیا۔ کیونکہ پھپھوندی نے پوری پلیٹ کو ہی خراب کر دیا تھا۔ پلیٹ کو ضائع کرنے سے پہلے، اس نے دوبارہ غور کیا تو معلوم ہوا کہ جہاں سبزرنگ کا مادہ موجود ہے۔ اس کے ارد گرد اور نیچے تمام جرثومہ مرپکے ہیں۔ یہ بات اس کے لئے حیرت انگیز تھی۔ اسے کچھ سمجھنہ آیا۔ اس نے اب کئی پلیٹوں میں خود پھپھوندی لگا دی۔ اور چند ہفتے انتظار کیا۔ نتیجہ بالکل پہلے جیسا تھا۔ جہاں بھی یہ سبزر مادہ موجود تھا۔ اس پلیٹ میں تمام جراشیم مرپکے تھے۔ الیکنڈر حادثاتی طور پر پنسیلین دریافت کر چکا تھا۔ اس کا میابی نے آنے والے سائنسی دور کو مکمل طور پر تبدیل کر دیا۔ زخموں کے علاج کے لئے پہلی اٹی بائیوٹک اب لوگوں کے لئے موجود تھی۔ دوسری جنگ عظیم میں پنسیلین کا بھرپور استعمال ہوا۔ زخموں سے مرنے والے فوجیوں کی تعداد اس دوائی سے اٹھاڑہ فیصد سے کم ہو کر صرف ایک فیصد رہ گئی۔ یہ ایک انقلاب تھا جس نے انسانی جان کی اس طرح حفاظت کی کہ لوگوں کی عمر میں طویل ہونے لگیں۔ فلینگ کو اس حد درجہ عظیم کام پر 1945ء میں نوبل پرائز دیا گیا۔ آپ کو اندازہ ہو رہا ہو گا کہ میں فلینگ کی تحقیق کی تعریف کرنے کے لئے یہ سچا واقعہ بتا رہا ہوں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ دنیا کی پہلی اٹی بائیوٹک بنانے کا کارنامہ تو سب کو معلوم ہے۔ مگر اس عظیم آدمی کا اصل کردار اس ایجاد سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہ اٹھا نا تھا۔ یو کے اس وقت سپر پا اور تھا۔ الیکنڈر نے دنیا پر ایک احسان کیا ہوا تھا۔ اسے مشورہ دیا گیا کہ پنسیلین کو اپنے نام سے لندن میں رجسٹر کروالے۔ معمولی سی کارروائی سے اسے دوائی کے مالکانہ حقوق مل جائیں گے۔ جہاں بھی پنسیلین استعمال ہو گی یا بنائی جائے گی۔ وہاں وہاں سے اس کو پیسے ملتے جائیں گے۔ دو تین سال میں قوی امکان تھا کہ الیکنڈر دنیا کا سب سے امیر انسان بن جاتا۔ کیونکہ اس کی ایجاد کردہ دوائی، اس کی اجازت کے بغیر بنائی نہیں جاسکتی تھی۔ یعنی کہ ارض کا سب سے امیر شخص بننا اس کے لئے معمولی کام تھا۔ مگر فلینگ نے اس دولت کو مکمل طور پر ٹھکرایا۔ اس نے

پیشیلین کی ایجاد اینے نام رجسٹرڈ نہیں کروائی بلکہ اسے پوری انسانی نسل کے لئے مفت وقف کر دیا۔ فلیمنگ نے دولت کو حقیقت میں ٹھہڑا مارا۔ ایک متوسط طبقے کے سائنسدان کے طور پر زندگی کے آخری لمحے تک زندہ رہا۔

ذرا سوچیے۔ کیا الیکنڈر اپنی ایجاد کو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے مختص نہیں کر سکتا تھا۔ بالکل کر سکتا تھا۔ اور یہ بات جائز بھی ہے۔ مگر اس نے اپنی بجائے، نوع انسانی کو محفوظ کرنے کو ترجیح دی۔ یہ حد درجہ غیر معمولی بات ہے۔ بلکہ محیر العقول امر ہے۔ انسان دوستی کی ایک ایسی درخشاں مثال جس نے ہر انسان پر زندگی کے نئے دروازے کھول دیئے۔ اب ذرا ٹھہر جائیے۔ بلکہ ساکت ہو جائیے۔ ارگرد کے لوگوں کی واضح اکثریت پر غور فرمائیے۔ بغیر رنگ، نسل، مذہب، سماج، آپ کو ایک عصر حیرت انگیز طور پر کیساں نظر آئے گا۔ وہ ہے امیر سے امیر تر ہونے کی دھن۔ دوسرے لفظوں میں اندھا دھن دولت کمانے کا جنون یا حد درجہ امیر ہونے کا پاگل پن۔ اس کو لاچ بھی کہا جا سکتا ہے۔ آپ، خود حیران رہ جائیں گے۔ کیونکہ یہ ایک خاص طبقہ کا مرض نہیں ہے۔ ریڑھی والے سے دریافت کریں تو وہ کار والے سے متاثر ہے۔ اور کسی بھی طرح چھوٹی گاڑی خریدنا چاہتا ہے۔ امیر طبقے کا تجزیہ کریں۔ وہ اس فکر میں ہیں کہ چلیے چار کنال کا گھر تو بنالیا۔ مگر فارم ہاؤس بھی تو بنانا ہے۔ ارگرد کے سارے دوست بڑے فارم ہاؤسوں کے مالک ہیں۔ میں ان سے کیسے پیچھے رہ گیا۔ یہ تو حد درجہ بری بات ہے۔ لہذا اب مزید دولت کمانی چاہیے۔ اور اس میں ہر جائز اور ناجائز طریقہ استعمال کرنا چاہیے۔ ذرا غور کیجئے۔ آپ کو ہر طرح کے لوگ اس جنون کا شکار نظر آئیں گے۔ اگر دیکھا جائے تو اس میں کوئی براہی بھی نہیں لگتی۔ مگر دوسرے زاویے سے سوچا جائے تو بہر حال یہ سوال اٹھتا ہے کہ ایک انسان کو بالآخر کتنی دولت چاہیے۔ کیا اس کی کوئی حد ہے یا نہیں۔ اگر ہم دنیا کے مذاہب پر غور کریں، تو ہر مذہب میں ارتکاز دولت کی نفعی کی گئی ہے۔ غریب لوگوں پر احسان کرنے کا سبق دیا گیا ہے۔ تقسیم زر پر زور دیا گیا ہے۔ مگر اس کے بالکل ساتھ دولت کمانے پر کسی قسم کی کوئی قدغن بھی نہیں ہے۔ دنیا کے عظیم ترین مذاہب بلند اخلاقی قدریوں کا ذکر ضرور کرتے ہیں، مگر کسی جگہ بھی جائز طریقے سے پیسہ کمانے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اسلام میں تو کاروبار اور تجارت کرنے پر بھر پور زور دیا گیا ہے۔ مگر ہمارے معاشرے بلکہ پوری دنیا میں عملی صورت حال بالکل الٹ ہے۔ ہر مرد اور عورت امیر سے امیر تر ہونے کے لئے ہر حرba استعمال کرنے کے لئے تیار ہے۔ مسلمان ممالک میں مشرق وسطیٰ کے بادشاہوں پر غور فرمائیے۔ وہاں تو پوری ریاست کے مالی وسائل پر صرف اور صرف ایک خاندان قابلٰ ہوتا ہے۔ سعودی عرب سے لے کر قطر تک اور یوائے ای سے لے کر بھرین تک۔ تمام ملکی دولت مخصوص خاندانوں کے قبضے میں ہیں۔ جو اپنے آپ کو شاہی خاندان گردانتے ہیں۔ ویسے حقیقت یہ بھی ہے کہ برطانیہ نے جب مشرق وسطیٰ کے ممالک ترتیب دیئے تو وہاں کے غیر شرفاء کو ترجیح دی گئی۔ جزئیات میں جائے بغیر یہ عرض کروں گا کہ شاہی خاندان کھلانے والے لوگ، ماضی میں کوئی

خاص معزز نہیں تھے۔ چلیئے بات کو یہی رہنے دیجئے۔ مگر ارتکاز دولت کے واضح پاگل پن نے ان دس بارہ ریاستوں کے ماکان کو دنیا کے امیر ترین لوگوں میں شامل کر دیا ہے۔ بغیر کسی محنت اور ایجاد کہ، یہ جو نکوں کی طرح ملکی وسائل کو کھاپی رہے ہیں۔ چلیے بل کیٹس اور اس طرز کے امیر لوگوں نے تو دنیا میں محنت کی ہے، نئی ایجادات کی ہیں۔ اگر وہ امیر ہیں تو اس کی منطقی وجہات ہیں۔ مگر مشرق و سطح میں تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔

وطن عزیز میں بھی دولت کمانے کا ہسٹریا ہر سطح پر موجود ہے۔ سیاست دانوں کے مقتدر خاندانوں کو دیکھئے۔ جھوٹ اور دروغ گوئی سے وہ ہر ناجائز طور پر صرف اور صرف ڈال رکمانے میں جتنے ہوئے ہیں۔ ہر ایک کو ان کے ماضی کا علم ہے۔ دنیا میں یہ دو چار خاندان ہماری بدنامی کا باعث ہیں۔ مگر ناجائز دھمک نے اس طرح کا جادو کیا ہے۔ کہ اپنے آپ کو مسیح اُمرار دیتے ہیں۔ فریب، مکرا اور غلاظت سے بھر پور یہ افراد کامیابی سے لوگوں کو بیوقوف بنارہ ہے ہیں۔ ان کی ہوس ہے کہ ختم ہی نہیں ہو رہی۔ بالکل یہی معاملہ بیوروکریسی کے چیدہ چیدہ افراد ریاستی اداروں کے سینئر سربراہان اور تاجریوں کا ہے۔ کسی طور پر یہ لوگ، اپنی جیلیں بھرنے کے علاوہ کچھ اور کام کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں۔ ہاں، اچھے الفاظ کی تقاریر ہر وقت کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ تو اتر سے فرماتے ہیں۔ مگر ان شیاطین کے برعکس ہمارے ہی ملک میں بے حد عمدہ انسان بھی پائے جاتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر انسانیت پر ایمان، دوبارہ اجاگر ہو جاتا ہے۔ عبدالستار ایڈھی کیاروشن مثال ہے۔ چھپا اور اس طرح کے ان گنت لوگ، مالی فوائد حاصل کرنے کی سطح کو ڈھنی طور پر عبور کر چکے ہیں۔ ہاں ایک عجیب سی بات بتاؤ۔ میرے ایک واقف نے گزشتہ برس چھ کروڑ روپے کی گاڑی خریدی۔ دو تین سماجی تقریبات میں ملاقات ہوئی تو بڑے فخر سے اپنی قیمتی جیپ کا ذکر کیا۔ کچھ دن پہلے ملے تو سائیکل پر آئے۔ کہنے لگے کہ قیمتی گاڑی چلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اصل چیز سادگی اور محروم طبقہ کی مدد ہے۔ معلوم ہوا کہ اب ایک سادہ تی گاڑی رکھی ہوئی ہے۔ قریب جگہ پر سائیکل پر جاتے ہیں۔ گاڑی بیچ کر اور دیگر ذاتی دولت کو غریب لوگوں کے لئے مختص کر دیا ہے۔ کیا عرض کروں اور کیا نہ کہو۔ پیسہ ایک ضرورت ہے اور جائز ضرورت ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کتنا پیسہ ایک پر سکون زندگی کے لئے ضروری ہے۔ اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔ کم از کم میں تو جواب دینے سے قاصر ہوں۔ پھر الیکٹریٹ فلیمنگ جیسے عظیم دمی کا خیال آتا ہے کہ اس نے دنیا کا دولت مند ترین انسان بننے کو ٹھکرایا۔ شاید وہ ہمارے ملک میں ہوتا تو کبھی بھی یہ ”بے وقوفانہ“، فیصلہ نہ کرتا۔ پرسوال تو یہ ہے کہ ہمارے جیسے بخیر ملک میں ہوتا ہی کیوں؟